فیض احمد فیض کی شاعری کا تنقیدی جائزہ

ثمرین کنول

Samreen Kanwal,

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

حنا تحسین

Hina Tehseen

Ph.D Scholar, Department of Urdu,

Lahore Garrison University, Lahore.

Abstract:

Faiz Ahmad Faiz has monumental influence on the literary and cultural life of Pakistan. He is arguably the best known, the most venerated poet to have come from the Indo-Pakistan Sub-Continent over the last 70 years. Not only that, his work has received considerable circulation, recognition and acclaim across the globe, initially in the non-aligned countries through either loosely or closely, to the former Soviet Union-but in time across many countries of the Western would as well. Faiz lived in an era that was more trusting and innocent, when it was still possible to believe that the human system of social well being and economic justice of mutual tolerance and personal freedom was possible through a people's revolution or through an enlightened seeding of political and social awareness.

نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی
نہیں وصال میسر تو آرزو ہی سہی
(فیض احمد فیضؔ)

کوئی تو بات ہے اس میں فیضؔ
ہر خوشی جس پہ لٹا دی ہم نے

(فیض احمد فیضؔ)

فیض دراصل ایک رومانی شاعر تھے لیکن اُنھوں نے ترقی پسند تحریک کے پلیٹ فارم سے اپنے جذبات و احساسات کے ذریعے انقلاب کے دروازے پر دستک دی۔ عربی اور فارسی زبان سے شغف آپ کو بچپن ہی سے مولوی ابراہیم سیالکوٹی کے مدرسے میں پڑھنے سے پیدا ہو گیا۔ ان کی شاعری میں عشق و عاشقی پسے اور کچلے ہوئے طبقے سے محبت کا جادو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ اقبال اور غالب کے بعد فیض احمد فیض کو اردو ادب میں زیادہ پذیرائی نصیب ہوئی۔ پنڈی سازش کیس اور لینن امن انعام نے آپ کو بین الاقوامی شہرت کا حامل شاعر بنا دیا۔ اُردو نظم اور غزل کے حوالے سے آپ کو مسندِ فضیلت پر بٹھایا گیا۔ آپ کا نام فیض احمد اور تخلص فیض تھا۔ آپ کے والد کا نام خان بہادر سلطان محمد خان تھا۔

فیض احمد فیض ۱۳ فروری ۱۹۱۱ء کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ روسی حکومت نے ان کو لینن انعام دیا تھا۔ فیض ۱۹ نومبر ۱۹۷۴ء میں اپنی صاحبزادی کے گھر کھانا کھانے گئے۔ اپنی صاحبزادی کے گھر دمے کا شدید دورہ ۹:۱۵ پر پڑا، لاہور کے میو ہسپتال میں داخل کرایا گیا، دوپہر ۱:۲۰ پر ۲۰ نومبر ۱۹۷۴ء کو ان کی بے چین روح کو ابدی سکون حاصل ہو گیا۔ ان کا مزار لاہور کے ماڈل ٹاؤن قبرستان میں ہے۔ ان کا مزار حفیظ جالندھری کے مزار کے پاس ہے۔

فیض کا اسلوب شاعری

فیض کی غزل ایک روایتی شاعری ہے۔ انھوں نے غزل کی ہیئت کے معاملے میں کسی قسم کے اجتہاد کا مظاہرہ نہیں کیا۔ موضوعات کے لحاظ سے ان کی غزل کا مزاج ان کے ہم عصر شعرا سے کافی مختلف ہے۔ ان کی ترقی پسندانہ فکر اور سوچ ان کی غزل کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔

پاکستان کی سیاسی فضا فکر و اظہار کی پابندیوں اور قید و بند کی حدود میں انھوں نے کلاسیکی علامتوں اور استعاروں میں اپنی بات کہنی چاہی اور اس طرح غزل کے پورے موڈ کو بدل دیا۔

فیض کی شاعری کا فکری و تنقیدی جائزہ

فیض کی شاعری روایتی شاعری ہے۔ ان کی غزل کا مزاج اور انداز اپنے ہم عصر شعرا سے قدرے مختلف ہے، ان کی ترقی پسندانہ سوچ ان کی غزل کو دوسروں سے ممتاز کرتی ہے۔ صدیق الرحمٰن قدوائی کا کہنا ہے:

> ’’غزل کو ترقی پسند فکر اور جدید حالات سے ہم آہنگ کرنے کے ضمن میں فیض خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ پاکستان کی سیاسی فضا فکر و اظہار کی پابندیوں اور قید و بند کی حدود میں انھوں نے کلاسیکی علامتوں اور استعاروں میں اپنی بات کہنی چاہی اور اس طرح غزل کے پورے موڈ کو بدل دیا۔‘‘(۱)

احمد ندیم قاسمی کی فیض کے ڈکشن کے بارے میں رائے سنیے:

> ’’فیض کے ڈکشن کو دیکھیے جس طرح غالب اپنے عہد میں اُردو غزل کی زبان سراسر بدل ڈالی اور جس طرح جوش نے اُردو شاعری پر زبان کے معاملے میں بھی متعدد جہات کھول

دیے اس طرح کا ڈکشن فیض کے ہاں نہ سہی مگر فیض اپنی طلسم کاری سے یہاں بھی باز نہ آیا۔ اس نے اُردو شاعری اور خاص طور پر غزل کی مروجہ روایتی لفظیات کو اس سلیقے سے اور ایسے تیوروں کے ساتھ استعمال کیا کہ ان لفظوں کے آفاق پھیل گئے۔ ان کے دامان معنی میں وسعتیں پیدا ہو گئیں اور وہ مروّجہ روایتی مفہوم دینے کی بجائے فیض کے لہجے سے تر و تازگی حاصل کرنے کے لیے مفاہیم سے لد گئے۔'' (۲)

فیض نے غزل کی کلاسیکی ڈکشن کو ایک نیا رخ اور موڑ دیا۔ اس ضمن میں صدیق الرحمٰن قدوائی یوں رقم طراز ہیں:

''فیض کی غزل نے شاعر اور سامع کے درمیان ابلاغ کی سطح کو بہت بلند کر دیا۔ انھوں نے غزل کے مانوس کلاسیکی ڈکشن کو ایک بالکل نئے لہجے سے آمیز کر کے اسے اپنے عہد کا استعارہ بنا دیا۔ صنفی پابندیوں کے درمیان آزادی کی راہیں پھوٹ نکلیں اور غزل ان کے دور کی رازدارانہ سرگوشیوں کی زبان بن گئی۔'' (۳)

فیض کی زبان میں سادگی، سلاست اور دل کشی پائی جاتی ہے۔ ان کی زبان دل کو موہ لینے والی ہے کہ وہ اپنی ہی زندگی میں ایک روایت بن گئے۔ ان کے متعدد اشعار اپنی برجستگی کے باعث ضرب المثل کا درجہ حاصل کر چکے ہیں۔ وہ الفاظ جو ہمارے ارباب میں صدیوں کے خاص معنی میں استعمال ہوتے آئے ہیں فیض نے اُنھیں نئے معنی دیے۔ ان کا اسلوب تغزل کا ہے مگر اس میں پیوند کاری مغرب کی جدید شاعری سے استفادے کی بھی ملتی ہے، اس لیے فیض کی شاعری صرف ترقی پسند ہی نہیں بلکہ جدید بھی ہے۔

فیض نے غزل کو درجہ بدرجہ ارتقائی مراحل سے گزار کر ایک انوکھی اور اچھوتی شکل دی ہے۔ اس کی غزل کا لہجہ شروع ہی سے ایسا نہیں تھا جیسا کہ ان کی آخری دور کی غزل میں نظر آتا ہے۔ پروفیسر قمر رئیس فیض کے بنیادی لہجہ کی تشکیل کے بارے میں لکھتے ہیں:

''فیض کی غزل کے بنیادی لہجہ کی تشکیل دراصل ''دستِ صبا'' اور ''زنداں نامہ'' کی غزلوں میں ہوئی ہے۔ ان مجموعوں میں ۱۹۵۱ء سے ۱۹۵۵ء تک کا کلام شامل ہے جب وہ راولپنڈی سازش کیس کے سلسلے میں پاکستان کی مختلف جیلوں میں قید رہے ان پر مقدمہ چلا اور حکومت نے ان کے اور دوسرے ملزموں کے لیے سزائے موت کا مطالبہ کیا۔ اس عہد میں قید تنہائی کی ابتدائی اذیتوں اور پھر سر پر منڈلاتے ہوئے اجل کے اندیشوں نے فیض کے دل و دماغ پر جو اثرات مرتب کیے وہ مرکب تھے۔ ایک طرف قید تنہائی کی وحشت اور اداسی اور دوسری طرف اہلِ وطن کی صعوبتوں ان کے مقدر سے احساس یگانگت کے یہ دونوں کیفیتیں ان پر جس شدت سے وارد ہوئیں وہ شاید فیض کے لیے بھی نئی اور اجنبی تھیں۔ اس سے ان کے تخلیقی وجدان میں غیر معمولی ہلچل پیدا ہو گئی۔ فیض نے خود کہا ہے کہ قید و بند کے ان ایام میں ان کی طبیعت میں غضب کی جولانی اور آمد تھی۔ اپنے وطن میں رہ کر جلاوطنی اور کربِ تنہائی کا

یہ تجربہ بڑا دوررس اور معنی خیز تھا۔ ایسا لگتا ہے کہ یہ ان کے داخلی وجود میں جذب ہو کر ہمیشہ کے لیے ان کی حسیت کا ایک حصہ بن گیا۔ اس نے ان کی بعد کی شاعری اور شعری لب و لہجے کو بہت متاثر کیا۔'' (۴)

ڈاکٹر جمیل جالبی فیض کے خیال کو الفاظ میں سمو دینے کے انداز کی تعریف کرتے ہوئے ان کی غزلوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان میں گہرے سے گہرے خیال کو الفاظ میں سمو دیا گیا ہے کہ یہ رچاوٹ غیر معمولی تاثر کی محرک بن گئی ہے۔ صفائی اور گہرائی اس کی غزلوں کا عام جوہر ہے۔'' (۵)

ڈاکٹر شارب ردولوی فیض کی تراکیب وتشبیہات وغیرہ کے بارے میں یوں لکھتے ہیں:

''فیض نئی تراکیب وتشبیہات گھڑنے کی بجائے بالعموم عام روایتی اور مروجہ تراکیب و تشبیہات اور علامتوں کا استعمال کرتے ہیں۔ ان میں بیشتر وہ تراکیب وتشبیہات ہیں جو استعمال کی یکسانیت کی وجہ سے اپنا کیف تاثر اور اہمیت کھو چکی ہیں اور جنھیں پڑھ ہر قدامت پسندی کا احساس ہوتا تھا لیکن فیض نے ان تمام الفاظ و تراکیب اور تشبیہات کا منظر نامہ ہی بدل دیا یعنی الفاظ تو وہی رہے لیکن فیض کے یہاں وہ ایک نئے معنی اور نئی ہیئت کی نشان دہی کرتے ہیں۔'' (۶)

فیض پرانے روایتی الفاظ سے نئے استعارے تخلیق کرتے ہیں اور ان استعارات سے دُہرا تاثر پیدا کرتے ہیں۔ انھیں پڑھ کر بالکل نئے امیجز ذہن میں اُبھرتے ہیں:

یہ ہمیں تھے جن کے لباس پر سرِ رہ سیاہی لکھی گئی
یہی داغ تھے جو سجا کے ہم سرِ بزمِ یار چلے گئے
نہ تن میں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں
نمازِ شوق واجب ہے بے وضو ہی سہی

پروفیسر قمر رئیس فیض کے احساس وتخیل کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''غزل میں اُنھوں نے احساس وتخیل کے لطیف کیمیاوی عمل سے ایک ایسی جمال آفریں فضا تخلیق کی ہے جو قاری کو مسحور کر دیتی ہے۔ یہ خواب ناک شکستگی اور دردِ محرومی کے احساس سے کچھ اور شدید اور اثر آگیں ہو جاتی ہے۔'' (۷)

نہ گنواؤ ناوک نیم کش دل ریزہ ریزہ گنوا دیا
جو بچے ہیں سنگ سمیٹ لو تنِ داغ داغ لُٹا دیا
....
کہیں تو کاروان درد کی منزل ٹھہر جائے
کنارے آ لگے عمرِ رواں یا دل ٹھہر جائے

رومانیت اور انقلاب پسندی

فیض کی شاعری بنیادی طور پر رومانوی شاعری ہے۔ڈاکٹر شارب ردولوی ان کی رومانیت اور انقلاب پسندی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''مطالعہ فیض کے سلسلے میں عام طور پر دو باتوں پر زور دیا گیا ہے، اول ان کی رومانویت یعنی بنیادی طور پر وہ رومانی شاعر ہیں۔لطفِ وصل، درد و فراق، حسرت دید اور تلخیِ ستم کو اپنے نرم و مدہم لہجے میں بڑی خوب صورتی سے پیش کرتے ہیں اور اس طرح وہ ذہن و دل پر اپنا ایک گہرا اثر چھوڑ جاتے ہیں۔اسی طرح ان کی انقلاب پسندی اور مقصدیت کا ذکر کیا جاتا ہے جسے ان کی کامیابی اور شہرت کا بڑا عنصر قرار دیا گیا۔ یہ دونوں باتیں جنھیں مختلف انداز میں فیض کی مقبولیت کے سبب اور شاعرانہ خصوصیت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔''(۸)

تغزّل

فیض احمد فیض نے تقریباً ۸۴غزلیں کہیں۔تعداد کے لحاظ سے اتنی غزلیں کسی شاعر کو قادر الکلام شاعر ثابت کرنے کے لیے ناکافی ہیں لیکن فیض نے اتنی تھوڑی غزلیں لکھنے کے باوجود بھی غزل میں اپنا مقام منوالیا۔اس ضمن میں ڈاکٹر سلیم اختر کا کہنا ہے:

> ''فیض نے نسبتاً کم تعداد میں غزلیں لکھ کر بھی اپنے لیے بہ حیثیت غزل گو وہ منفرد مقام بنایا کہ پاک و ہند کے صاحبِ طرز غزل گوؤں میں شمار ہونے لگے۔یہی نہیں بلکہ اپنے خاص اسلوب اور طرز سے اُنھوں نے ہم عصر غزل کے امکانات میں اضافہ بھی کیا۔''(۹)

فیض کی غزل روایتی ہے لیکن انفرادیت موجود ہے۔ان کی غزل پر مرزا غالب، سودا، میر تقی میر اور اقبال کا پرتو نظر آتا ہے۔فیض کے رنگِ تغزل کے سلسلے میں ڈاکٹر عبادت بریلوی لکھتے ہیں:

> ''فیض پر ویسے روایت کے گہرے اثرات ہیں۔روایت کی بنیادی خصوصیات ان کے مزاج کا جزو ہیں اس لیے غزل میں پیچیدہ سے پیچیدہ تجربات کو پیش کرتے ہوئے بھی وہ اس روایت کے اثر سے کام لیتے ہیں۔غزل کی روایت کو انھوں نے ایک نئی زندگی دی ہے لیکن نئی زندگی دے کر اسے نئے راستوں پر بھی گامزن کیا ہے۔فیض کی غزلوں میں حقیقت اور رومان سب سے نمایاں ہے۔رومان اور حقیقت کیا سی امتزاج نے ان کی غزلوں میں آہستہ روی کو تیزی اور تندی سے ہم آہنگ کیا ہے جس سے نئے لہجے کا احساس ہوتا ہے۔اس کی اشاریت نئی ہے۔ پرانے اشاروں کے ساتھ نئے اشاروں کو شیر وشکر کر کے انھوں نے معنویت کی روح پھونکی ہے اور ان کے در و بست میں ایک نئے جمالیاتی شعور وسخن سے کام لیا ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان کی رمزیت اور اسمائیت الفاظ کی نغمگی اور غنائی کیفیت بحروں کے

ترنم اور آہنگ سب میں ایک جدت کا احساس ہوتا ہے۔ ایک نئی روایت اُبھرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ آخری دور کی غزلوں میں یہ خصوصیات سب سے زیادہ نمایاں ہیں۔''(۱۰)

ڈاکٹر صاحب نے اپنی باب کی تائید کرنے کی غرض سے فیض کے یہ اشعار نقل کیے ہیں:

گراں ہے دل پہ غمِ روزگار کا موسم
ہے آزمائش حسن نگار کا موسم
حدیث بادہ و ساقی نہیں تو کس مصرف
خرام ابرو سرِ کوہسار کا موسم
قفس ہے بس میں تمھارے تمھارے بس میں نہیں
چمن میں آتشِ گل کے نکھار کا موسم
بلا سے ہم نے نہ دیکھا تو اور دیکھیں گے
فروغ گلشن و صوتِ ہزار کا موسم(۱۱)

یہ اشعار ایک نئی معنویت کے حال میں اسی لیے ان میں ایک نئی اور ایک نئے آہنگ کا احساس ہوتا۔ یہ ہیئت کے سانچے میں ڈھلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ان میں ایک نیا آب و رنگ نظر آتا ہے۔ یہ سب کچھ اس تجربے کا مرہونِ منت ہے جس کو فیض نے روایت سے ہم آہنگ کر کے ایک بڑی متوازن صورت دی ہے۔

فیض احمد فیض ترقی پسند تحریک سے وابستہ رہے۔ ان کا شمار ترقی پسند شعرا میں ہوتا ہے۔ ڈاکٹر انور سدید ان کی ترقی پسند شاعری کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ترقی پسند شاعری میں فیض کی عطا یہ ہے کہ اُنھوں نے نظریے کی ترسیل کو مستقیم اور غیر مستقیم انداز میں پیش کرنے کے تجربے کیے چنانچہ ان کی بیشتر شاعری میں حقیقت نگاری علامتی روپ میں ڈھل گئی ہے جس کی وجہ سے ان کی شاعری کے گرد ایک دائرہ گردش کرتا ہوا دکھائی دیتا ہے فیض نے بہت سے ہنگامی موضوعات پر بھی نظمیں کہیں اور جب موضوع ان کے داخل سے ہم آہنگ ہو جاتا ہے تو کائنات کا غم ایک مثبت کردار کی طرح پوری نظم میں مرکزی حیثیت اختیار کر لیتا ہے اور قاری اس ہنگامے کی معنویت سے گہرا تاثر قبول کرتا ہے:

اور اب رات کے سنگین و سیاہ سینے میں
اتنے گھاؤ ہیں جس سمت نگہ جاتی ہے
جا بجا درد نے اِک جال سا بُن رکھا ہے

فیض کی منفرد عطا یہ ہے کہ اُنھوں نے لفظ کے گرد نیا احساسی دائرہ مرتب کیا اور اسے سیاست آشنا بنا دیا ترقی پسند شعرا کے ہاں سرخ سویرا، حریری پرچم کاغذی ملبوس اور گلنار ہاتھ وغیرہ اس کثرت سے استعمال ہوئے ہیں کہ ان کی شعریت ہی زائل ہوگئی ہے۔ فیض نے نہ صرف

نئے استعارے تخلیق کیے بلکہ قدیم شعرا کے مستعمل الفاظ کو بھی نئی تابندگی عطا کی۔''(۱۲)

سماجی شعور

پروفیسر قمر رئیس کے نزدیک فیض کی شاعری گہرے سماجی شعور کی حامل ہے۔ ان کے ہاں فرد کی پہچان اور معنویت سماجی حوالے سے قائم ہوتی ہے۔ پروفیسر موصوف لکھتے ہیں:

''سماجی شعور کی تند لہریں ان کی غزل کے نرم اور خواب ناک لہجے میں اس طرح جذب ہو جاتی ہیں کہ بظاہر نظر نہیں آتیں، یہاں تک کے محنت کش عوام اور انقلاب کے متحرک تصورات بھی ان کی شاعری میں یار دلدار کے حسین پیکروں میں نظر آتے ہیں:

ہاں جام اٹھاؤ کہ بیادِ لب شیریں
یہ زہر تو یاروں نے کئی بار پیا ہے
ہر سمت پریشاں تیری آمد کے قرینے
دھو کے دیے کیا کیا ہمیں بادِ سحری نے''(۱۳)

فیض کی شاعری بامقصد اور نظریاتی ہے۔ اس ضمن میں ڈاکٹر آغا سہیل کا کہنا ہے:

''فیض کی شاعری کی اصل روح اس مقصد اور نظریے میں پوشیدہ ہے۔ جن کی ترویج و اشاعت وہ تمام عمر کرتے رہے اور غزل ہو یا نظم یہ محض ان کے پیرایہ اظہار ٹھہرے۔ دراصل ہر اس بڑے شاعر کی طرح فیض کے سامنے نظریے کی توانائی سب سے زیادہ دقیع تھی۔''(۱۴)

فیض کی بنیادی شاعرانہ اہمیت اس حقیقت سے بھی وابستہ ہے کہ وہ اردو کے پہلے سیاسی شاعر ہیں۔ فیض کے ہم عصر خاص طور پر اس کے ترقی پسند ساتھی سیاست دان نہ ہونے کے باوجود عملی سیاست سے دل چسپی رکھتے تھے۔ سیاسی شاعری کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ وہ خالص غنائی یعنی داخلی شاعری کی طرح لوگوں کو اپنے جذبات واحساسات میں شریک بنانے پر قادر ہے۔

حوالہ جات

۱۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳ء، ص:
۲۔ فتح محمد ملک، احمد ندیم قاسمی: شاعر اور افسانہ نگار، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۲ء، ص: ۲۶۵
۳۔ رفیع الدین ہاشمی، ڈاکٹر، اصنافِ ادب، ص:
۴۔ قمر رئیس، پروفیسر، فیض کی غزل، مشمولہ: اردو غزل، مرتبہ: ڈاکٹر کامل قریشی، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۸۷ء، ص: ۲۷۳
۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اُردو، جلد اول، لاہور: مجلسِ ترقی ادب، ۱۹۹۶ء، ص: ۵۴۱
۶۔ شمیم احمد، اصنافِ سخن اور شعری ہیئتیں، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۳ء، ص: ۳۵

۷۔ قمر رئیس، پروفیسر،فیض کی غزل،مشمولہ: اُردو غزل،مرتبہ: ڈاکٹر کامل قریشی،ص:۲۸۳

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر،تاریخِ ادب اُردو، لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۹۴ء،ص:۳۸۱

۹۔ سلیم اختر، ڈاکٹر،اردو ادب کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: مکتبہ کارواں،۱۹۹۵ء،ص:۴۳۷

۱۰۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر،غزل اور مطالعہ غزل،علی گڑھ:ایجوکیشنل بک ہاؤس،۱۹۷۴ء،ص:۳۶۵

۱۱۔ ایضاً،ص:۳۸۰

۱۲۔ انور سدید، ڈاکٹر،اردو ادب کی مختصر تاریخ، لاہور: کائنات پبلی کیشنز،۱۹۹۴ء،ص:۸۵

۱۳۔ قمر رئیس، پروفیسر،فیض کی غزل،مشمولہ: اُردو غزل،مرتبہ: ڈاکٹر کامل قریشی،ص:۶۱

۱۴۔ محمد حسن، ڈاکٹر، دہلی میں اُردو شاعری کا فکری اور تہذیبی پس منظر،علی گڑھ:ادارہ تصنیف،طبع اول،۱۹۶۲ء،ص:۲۹۶

☆......☆......☆